ریشنلٹی کی حقیقت

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری

ریشنلٹی کیا ہے؟

عقلیت کا جو تصور سترھویں صدی کے بعد سے مغرب میں عروج پذیر ہوا اس کو ریشنلٹی یا ''عقلیتِ خبیثہ'' کہتے ہیں۔ جو نظریہ اس تصورِ عقلیت کی نظاماتی حاکمیت کا دعوے دار ہے اس کو ریشنلزم کہتے ہیں۔ اس نظریے کا دعویٰ ہے کہ کہ ریزن (Reason) حق کی شناخت کا واحد ذریعہ ہے۔

ریشنلٹی کی بنیاد شک (ریب) ہے۔ ایک ریشنل فرد ان تمام حقائق پر شک کرتا ہے جو مذاہبِ عالم نے بیان کیے ہیں یا قدیم تہذیبی اور ثقافتی روایات سے اخذ کیے گئے ہیں۔ وہ ان تمام حقائق کو جاہلیتِ خبیثہ کے وضع کردہ پیمانوں پر تول کر یا تو انہیں ردّ کر دیتا ہے یا ان کی ایسی تعبیر کرتا ہے جو عقلیتِ خبیثہ کے وضع کردہ پیمانوں پر پوری اترتی ہو۔ اس عقلیت تک رسائی ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں حاصل ہے۔ ہر فرد اپنے ریزن کے ذریعے اپنے لیے خیر و شر کے پیمانے خود متعین کر سکتا ہے۔ وہ عقلیتِ خبیثہ کے احکامات کی تابع داری کے لیے کسی دوسرے فرد یا گروہ کا محتاج نہیں۔ حق تک رسائی ایک انفرادی عمل ہے اور انسان انہی معنوں میں خود تخلیقی ہے کہ وہ اپنا حق خود تخلیق کرتا ہے اور چونکہ حق کی بنیاد شک ہے لہٰذا وہ ہمیشہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اور فرد اپنی ذات کی تعبیر اس بدلتے ہوئے تصورِ حق کے تقاضوں کے مطابق ہمیشہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

اس عقلیت کے پیچھے جو بنیادی مقصد کارفرما ہے وہ ایک نئی ذات اور ایک نئے تصور انسان کی تخلیق ہے۔ تغیرِ ذات کے اس عمل سے گزر کر انسان (عبداللہ) ایک ہیومن بینگ یعنی خود مختار فرد بن جاتا ہے۔ اس سیاق میں خود مختاری عبدیت کی عین ضد ہے۔ ریشنلٹی کا بنیادی

تقاضا ہر انسان کو ہیومن بنانا ہے تاکہ وہ رب کی بندگی سے نکل کر خود مختاری کے سراب کو زندگی کا ہدف بنانے پر قانع ہو جائے۔

ریشنلٹی دعویٰ کرتی ہے کہ فکر کو جذبات، احساسات اور الہام سے درگزر کرنا چاہیے کیوں کہ یہ معروضیت کی راہ میں رکاوٹیں ہیں۔ انسانی فکر کو معروضی ہونا چاہیے۔ وہ کہتی ہے کہ ہر شے اور عمل کا تجزیہ اس کے اجزائے ترکیبی کو الگ الگ پرکھ کر ہونا چاہیے اور کوشش کی جائے کہ یہ تجزیہ ہمہ گیر ہو۔ زیرِ مطالعہ معاملہ کے کسی پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے اور اس بات کا مجموعی اندازہ لگایا جائے کہ زیرِ نظر عمل یا شے کے وقوع پذیر ہونے سے فرد کی آزادی اور خود مختاری کس حد تک متاثر ہو گی۔

یہ سرمایہ دارانہ ظن و تخمین یا اکاؤنٹنگ کی بہترین مثال ہے۔ ہر سرمایہ دار اپنے عمل کو اس بنیاد پر پرکھتا ہے کہ اس کے وقوع پذیر ہونے کے نتیجے میں اس کے سرمایہ میں (جو کہ آزادی کی تجسیمی شکل ہے) کتنا اضافہ یا نقصان ہوا ہے۔ وہ یہ اندازہ بالکل غیر جذباتی انداز میں اکاؤنٹنگ کے تمام اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لگاتا ہے تاکہ اس کا آخری فیصلہ قطعاً معروضی ہو۔

اس تعقل (rationalization) کے عمومی غلبہ کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظامِ اجتماعی قائم ہوتا ہے۔ ہم اس تعقل کو عقلیتِ خبیثہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس منہج کے اطلاق کا مقصد فروغِ آزادی اور انسانی خود مختاری کا قیام ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان نہ آزاد ہے اور نہ خود مختار ہے بلکہ وہ اللہ کا بندہ ہے، اس کی اصل فطرت بندگی ہے۔ سرمایہ دارانہ عقلیت انسان کو اپنے اصل مقصدِ وجود سے غافل کرنے کا ایک شیطانی حربہ ہے۔

سرمایہ دارانہ تعقل کے مطابق خیر یہ ہے کہ ہر اس عمل کو حق گردانا جائے جس کے نتیجے میں سرمایے کی بڑھوتری کا فروغ ہو اور ہر ایسے عمل کو شر جانا جائے جس کے نتیجے میں سرمایے کے فروغ میں رکاوٹ پڑتی ہو۔ یہ مفروضہ مغربی نظام قانون کی بنیاد ہے اور ہم اسی لیے اس قانون کے تحکم کو قانونِ سرمایہ کا تحکم (rule of law of capital) کہتے ہیں۔

ہر وہ مذہبی اور سماجی رویہ اور رجحان شر ہے جو بڑھوتریٔ سرمایہ اور فروغِ آزادی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ ہر ریشنل فرد کی ذمہ داری ہے کہ مذہبی اور معاشرتی بنیادوں پر پھیلائے جانے والے سرمایہ دارانہ مخالف عقائد اور رسوم کے خلاف تاحیات جدوجہد کرتا رہے۔

بڑھوتریٔ سرمایہ کی فرضیت کو قبول کرنے کی کیا دلیل ہے؟ سترھویں صدی کے فرانسیسی فلسفی رینے ڈیکارٹ کے مطابق یہ ایک مخصوص انسانی جبلت کا جبر ہے۔ انسانی ذہن سوچوں کی آماج گاہ ہے اور وجود محض سوچ کا اظہار ہے۔ ڈیکارٹ نے کہا کہ "میں سوچتا ہوں لہٰذا میں ہوں" مطلب یہ ہے کہ وجود انسانی ذہن (یا فکر محض) کی تخلیق ہے اور انسانی سوچ کے ذریعے حقیقت کی شناخت اور اس تک رسائی ممکن ہے۔

جو جبلت سوچ کو جنم دیتی ہے اس کے دوسری انسانی جبلتوں سے تعلق کے بارے میں مغربی فکر میں دو مختلف جواب ملتے ہیں۔ ڈیکارٹ کہتا ہے کہ اگر سوچ کو سرمایہ دارانہ خطوط پر منظم کیا جائے اور سوچ کا انداز تخمینی و حسابی ہو تو سوچ دوسری جبلتوں یعنی خواہشات، میلانات اور احساسات سے آزاد ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس ڈیوڈ ہیوم اور بیش تر تجربی فلسفیوں اور دور حاضر کی نیوروسائنس کا دعوی ہے کہ سوچنے کی جبلت کا خواہشات اور احساسات سے گہرا تعلق ہے۔

ریشنلزم کے مطابق صرف ان خیالات پر اعتماد کیا اور ایمان لایا جاسکتا ہے جو سرمایہ دارانہ فکر پر پورا اترتے ہوں۔ یہ خیالات واضح، منطقی اور مربوط ہوتے ہیں اور حقیقت کی شناخت صرف ان ہی خیالات کو عملی جامہ پہنا کر کی جاسکتی ہے۔ چونکہ تفکری منہج سرمایہ دارانہ ہے لہٰذا اس کی بنیاد پر جو طرزِ حیات اور نظامِ زندگی معقول ثابت کیا جاسکتا ہے وہ لازماً سرمایہ دارانہ نظام زندگی ہی ہے۔

خدا کا جو تصور ریشنلزم میں عام ہے وہ بھی سرمایہ دارانہ خطوط پر مرتب ہے۔ اس تصور کے مطابق خدا نے صرف عقلی اور منطقی اصولوں کی کار فرمائی وضع کر کے انہیں کائنات پر نافذ کیا ہے۔ اس نظام میں رویائے صادقہ، الہام اور وحی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ریشنلسٹ علوم

لدُنّی اور تصوف کو لغو اور بے معنی تصور کرتے ہیں۔ ان کا خدا بڑھوتری برائے بڑھوتری اور فروغِ آزادی کا حکم دیتا ہے (جیسا کہ جان لاک اور امانویل کانٹ نے اپنے اپنے انداز میں اس کو بیان کیا ہے)۔ انقلابِ فرانس کے بانیوں نے ریزن (عقلِ خبیثہ) کو خدا تسلیم کر کے اس کی پرستش کی تھی۔ انہوں نے ریزن کے بت بنوائے اور انہیں پبلک مقامات پر نصب کروایا تاکہ ان کی پرستش کی جائے۔

ریشنلسٹ عقائد کے مطابق انسان خدا کو جواب دہ نہیں ہے بلکہ عقلی اور منطقی اصولوں پر عمل کر کے ہر فرد اپنی فلاح کے حصول کا خود ذمہ دار ہے۔ ریشنلسٹوں کا تصورِ فلاح اخروی نہیں، دنیوی ہے۔ فلاح وہ افراد حاصل کرتے ہیں جو ریشنلٹی کے اصولوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں۔

ریشنلزم کی مادی تعبیر برطانوی تجربی مفکرین بالخصوص ڈیوڈ ہیوم نے مرتب کی۔ ان کے مطابق سوچ کی بنیاد حواسِ خمسہ سے حاصل شدہ اطلاعات فراہم کرتی ہیں۔ ادراک انہی تجسیمی اطلاعات کی بنیاد پر فکری تصورات تعمیر کرتا ہے۔ تجربی ریشنلسٹوں کے مطابق ذہن ایک ایسا خلا ہے جو صرف حسی اطلاعات سے پُر کیا جا سکتا ہے۔ سوچ کی صحت کا تعین اس کے تمیز (متمیز ہونے) اور وضوح کی بنیاد پر نہیں (جیسا کے ڈیکارٹ نے کہا تھا) بلکہ حسیات سے فراہم کردہ اطلاعات سے مطابقت کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

حسیات سے فراہم کردہ اطلاعات حق کی شناخت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان اطلاعات کا تجزیہ سرمایہ دارانہ منہج یعنی منطقی، تجزیاتی، حسابی و احتسابی بنیادوں پر کیا جائے۔ لیکن حسیات جو اطلاعات فراہم کرتی ہے لازماً محدود ہیں۔ مثلاً حسیات کی بنیاد پر کائنات اور انسان کے وجود کا مقصد دریافت نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے سوالات جن کا جواب حسیات کی فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر نہیں دیا جا سکتا عملاً ریشنلزم کے تفہیمی منہج سے خارج ہیں۔ ریشنلسٹ اس قسم کے سوالات کو علمی احاطہ سے خارج تصور کرتے ہیں۔

ریشنل تصورِ علمیت معقولات اور محسوسات تک محدود ہے۔ وہ حقائق جو سرمایہ دارانہ طرزِ

فکر کی دسترس سے باہر ہیں ان کو جاننے کی کوشش کرنا لازماً فضول اور لایعنی ہے۔ معقولات یعنی سرمایہ دارانہ طرزِ فکر کی دسترس میں جو دنیا ہے اس کو اور اس میں جاری قوانین کو پورے طور پر ریشنل طرزِ فکر کے اطلاق کے ذریعے جانا جاسکتا ہے۔ ریشنلزم کا یہ عقیدہ ہے کہ حقیقت سرمایہ دارانہ تفکر کی بنیاد پر پہچانی گئی دنیا کے علاوہ کچھ اور نہیں اور اس دنیا میں ریشنلٹی کے اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ہر فرد ایک محفوظ اور مطمئن زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ریشنل طرزِ فکر انیسویں صدی سے قبل تاریخ انسانی میں کبھی غالب نہیں رہا۔ ریشنلٹی کے غلبے کے لیے ضروری ہے کہ ایک مخصوص معاشرت وجود میں آئے ایک ایسی معاشرت جو:

- تخیلات اور محسوسات کو شناخت حقیقت کا کلیدی ذریعہ تسلیم کرے؛
- ادراک حقیقت کو خرد اور تجربے کے دائرے کار تک محدود گردانے؛
- وہ حقائق جن تک رسائی خرد اور تجربے کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوسکتی ان کو علمیت کے دائرہ کار سے خارج تسلیم کرے؛
- ماورائی حقائق کے ادراک کی بنیاد پر تعمیر شدہ طرز حیات اور نظام زندگی کو لغو اور بے معنی تسلیم کرے؛
- سرمایہ دارانہ تجربی منہج کا نظاماتی غلبہ قائم کرے اور فرد کی آزادی یعنی بڑھوتریٔ سرمایہ کو مقصد وجود کے طور پر قبول کرے؛

اس قسم کی معاشرت کو اپنانے کی کوئی عقلی دلیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ ہیوم کو اس بات کا پورا احساس تھا۔ اگر ذات ایک ایسا قاعدۂ معلومات ہے جہاں حسیات جمع ہوتی رہتی ہیں تو اس بنیاد پر تصورِ حق کی تعمیر ایک نہایت پیچیدہ اور ناقابلِ فہم عمل ہے۔ اور حقیقت کا جو تصور اس بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے وہ لازماً رائج شدہ معاشرتی رسم و رواج کا عکاس ہوتا ہے۔ اور ڈیکارٹ کا یہ دعویٰ کہ ریشنلسٹ فکر کے ذریعے لامحالہ حقیقت کی شناخت ممکن ہے (یعنی اس حقیقت کا جو خرد و تجربہ کی دسترس میں ہے) کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی خرد اور تجربہ وحی کا نعم

البدل ثابت نہیں ہوسکتے اور وہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے بھی ریب و شک میں گھرے رہتے ہیں۔ ریزن کی بنیاد پر پر نہ تو ماورائی حقیقت کا ادراک ممکن ہے اور نہ ہی دنیاوی حقیقت کا ادراک ممکن ہے۔

ریشنل منہج کے اطلاق سے جو طرزِ حیات اور نظام وجود میں آتا ہے وہ سرمایہ داری ہے۔ ریشنل منہج کا معاشرتی نفوذ سرمایہ دارانہ نظاماتی جبر کے تابع ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرت ریشنل منہج کی نظاماتی تنفیذ کو متعین کرتی ہے۔ ریشنل منہج کو کسی دوسرے نظاماتی تناظر میں ضم نہیں کیا جاسکتا (مثلاً اسلامی نظام کے تناظر میں) کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ریشنلٹی ایک مخصوص ملحدانہ تصورِ وجود اور تصورِ حقیقت پر قائم ہے۔

ریشنلسٹوں کے یہاں ذات اور وجود کے مختلف اور متضاد تصورات ملتے ہیں۔ ڈیکارٹ کے یہاں وجود سے مراد تفکر کی صلاحیت ہے اور سوچنے کی یہ صلاحیت غیر متغیر ہے۔ ذہن اور روح ڈیکارٹ کے مطابق ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کا ماصدق تفکر محض کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت قائم بالذات اور ابدی ہے۔ یہ نہ تو جسم کی محتاج ہے اور نہ ہی جسم کے مرنے سے مرتی ہے۔ اس کے برعکس کانٹ تجربی اور غیر تجربی وجود میں فرق کرتا ہے۔ وہ ڈیکارٹ کے تجربی نقادوں اور اس کے ریشنلسٹ نقادوں کی آراء کے درمیان توافق و تطابق کی سعی کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈیکارٹ کے بنیادی خیالات کا کم از کم صوری سطح پر ہی سہی دفاع بھی کرتا ہے۔ کانٹ ہیوم کی اس بات میں وزن پاتا ہے کہ تجربی وجود (ذات) مستقل تبدیل ہونے والا عمل ہے جس کی کوئی ماہیت نہیں اور یہ قائم بالذات وجود نہیں۔ لیکن کانٹ نے لائیبنیز سے شعور، تحت الشعور اور خود شعوری کے درمیان فرق کو سمجھا تھا۔ آگاہی اور خود آگاہی کے درمیان فرق پہلے پہل ہیومی تغیر مسلسل کے درمیان ایک نقطۂ ثبات نظر آتا ہے لیکن کچھ دیر کے تفکر سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ثبات ایک واہمہ ہے کیوں کہ اصولاً ہر خود آگاہی خود ایک آگاہی ہے جو ایک نئی خود آگاہی کی متقاضی ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس سے کانٹ نے یہ نتیجہ نکالا کہ ڈیکارٹ کے "میں سوچتا ہوں" سے کوئی مفر

نہیں ہے کیوں کہ اس کے بغیر اس سیلِ رواں میں کشتیٔ وجود کے لیے کوئی لنگر نہیں۔ مگر ہیوم اور لائیبنیز کی تنقید کے بعد یہ بھی ناممکن ہے کہ اس "میں سوچتا ہوں" کو کوئی قائم بالذات وجود مانا جاسکے کیوں کہ ہمارے علم میں ایسے کسی وجود تک رسائی نہیں ہے۔ اس معضلہ[1] کا حل کانٹ یہ نکالتا ہے کہ ایسے وجود کا ہمیں علم تو نہیں ہے لیکن ہمیں ایسے وجود پر ایمان لانا ضروری ہے کیوں کہ اس کے بغیر نہ تو نظری علم ممکن ہے اور نہ ہی عملی علم ممکن ہے۔ یہی کانٹ کی ماورائیت ہے اور یہی اس کے تنقیدی فلسفہ کا خلاصہ بھی ہے۔

ریشنلزم کا یہ دعویٰ ہے کہ انسانی ذہن میں یہ استطاعت موجود ہے کہ وہ دنیاوی حقیقت کو شناخت کر سکے (ماورائی حقیقت کو ریشنل منہج فکر علم کے دائرے سے خارج تصور کر کے عملاً اس کے حقیقت ہونے سے انکار کرتی ہے)۔ حقیقت کے ادراک کے لیے کسی بیرونی قوت مثلاً وحی والہام وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ ریشنلسٹ ہر اُس قانون کو چاہے وہ شرعی ہو یا رواجی ردّ کرتے ہیں جو اُن کی فکر کی کارفرمائی سے برآمد نہ ہوا ہو۔

مذہبی عقائد اور نظریات کی ریشنل توجیہ ممکن ہے جیسا کہ لاک اور کانٹ نے انجیلی تعلیمات کے ضمن میں اور سر سید غدار نے معجزات قرآنی کے ضمن میں کیا لیکن اس قسم کی تعبیرات کو مرتب کرتے وقت یہ مرتبین اس تصورِ وجود و حقیقت کو مضمراً فرض کر لیتے ہیں جو ریشنل منہج کے اساسی اعتقادات ہیں اور انہی مضمر مفروضات کی بنیاد پر مذہبی عقائد اور نظریات کی تاویل کرتے ہیں۔

آج بلاشبہ ریشنل منہج کو عالمی سطح پر علمیاتی غلبہ حاصل ہے اور اس غلبے کا سب سے واضح اظہار سائنس کی بالادستی ہے۔ لیکن اس منہاج کے غلبے کی کوئی فطری توجیہ نہیں بیان کی جاسکتی ہے۔ یہ محض ایک افسوس ناک تاریخی حادثہ ہے کہ دنیا کے ایک خطے میں ایک ایسا رجحان پیدا ہوا جس نے انسانی ذہن کو حقیقت کی شناخت کا واحد ذریعہ گردانا اور حقیقت کی تعریف حسیات سے حاصل شدہ اطلاعات کی تصوراتی ترتیب تک محدود کر دی۔

---

[1] ایسا مسئلہ جسے حل کرنا ممکن نہ ہو۔

اس رجحان کے ابھرنے کی بنیادی وجہ یورپ میں چودھویں صدی سے جاری عسائیت کے خلاف بغاوت ہے جس کے نتیجے میں ایک خود غرض، مادہ پرست، سفاک، اور بہیمانہ انفرادیت، معاشرت اور ریاست بدتریج مستحکم ہوتی چلی گئی۔ جیسا کہ کانٹ نے کہا کہ یہ ریشنل دنیا اس مخصوص وجود کی تخلیق ہے جو تنویری فکر کے غلبے کے نتیجے میں یورپ میں پیدا ہوا اور جس نے اس عمل کی ابتدا مذہب کی ایک ریشنل توجیہ کرنے کی کوشش سے کی۔

ریشنلزم کا دوسرا بنیادی مفروضہ انسان پرستی ہے۔ کانٹ کے مطابق انسانی ذہن ہی کائناتی نظم کا خالق ہے۔ اور انسانی ذہن ہی کے ذریعہ بیرونی موجودات سے حاصل شدہ اطلاعات کو تصورات میں ڈھال کر بامعنی قضایا تک پہنچا جاتا ہے۔ انسان ان معنوں میں خود مختار ہے کہ اس کو اشیاء کی حقیقت جاننے کے لیے کسی بیرونی قوت یعنی خدا پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان پرستی کا یہ عقیدہ تصوریت اور مادیت میں جو انسان پرستی کی دو مختلف تشریحات و تعبیرات ہیں یکساں طور پر مانا جاتا ہے۔

ریشنلٹی کا ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ انسانی ذہن میں ایک ایسی جبلت موجود ہے جو اس کو دنیاوی عوامل کے اسباب و نتائج کے منطقی تعلق کو دریافت کرکے حق کی شناخت پر مجبور کرتی ہے۔ ذہن کی ساخت ایک ایسی مشین ہے جو حقیقت کی شناخت کے لیے کافی ہے (یہ کانٹ کا مفروضہ ہے)۔ ذہن تصورات سازی پر مجبور ہے اور تصورات سازی کی بنیاد پر انسان معلوم دنیا کے عمل کے اسباب اور نتائج مرتب کرتے رہنے پر مجبور ہے۔ دنیاوی اعمال کے اسباب اور نتائج کی یہی شناخت حقیقت کا ادراک ممکن بناتی ہے۔ ریشنل منہج ہر دنیاوی عمل کے سبب اور نتیجہ کو فرض کرتا ہے اور اس کے مطابق سبب اور نتیجہ کے تعلق کو دریافت کرنے کی جستجو بھی کرتا ہے۔

ان مفروضات کا کوئی حتمی ثبوت کسی ریشنلسٹ نے پیش نہیں کیا ہے۔ ان مفروضات کی بنیاد پر جو اصول وضع کیے گئے ہیں ان کی توجیہ بھی غیر یقینی اور محدود ہے اور ان کا اطلاق بھی متضاد اور مبہم ہوتا ہے (یہ بات آیندہ کے شمارے میں پیش کیے گئے نیوروسائنس کے تجزیہ

سے واضح ہو گی)۔

انسانی ذہن کی کارفرمائی -اس کی سوچ- آزاد نہیں بلکہ ان عقائد کے تابع ہوتی ہے جو انسان اپنائے ہوتا ہے۔ یہ عقائد معاشرتی اور ریاستی اقدار اور رویوں اور روابط کو متعین کرتے ہیں۔ مسلم معاشروں اور ریاستوں میں ریشنلسٹ ذہن سازی کے ذریعے مسلمانوں کی فکر کو مسخ کیا جاتا ہے۔ تعلیم بالخصوص معاشرتی یا سوشل سائنسز کا یہ بنیادی ہدف ہے۔ ریشنلزم کا یہ مفروضہ ہے کہ جو ذہن تنویری فلسفہ نے تیار کیا ہے اس کو آفاقی ہونا چاہیے۔ سامراج تنویری ذہنیت کو آفاقی بنانے کی سب سے اہم کوشش ہے۔

امائل درخائیم کے مطابق تعقل کی بنیاد وہ رسوم ورواج فراہم کرتے ہیں جو کسی معاشرے میں رائج ہوتے ہیں۔ ان رسوم ورواجات کے زیر اثر ایک معاشرہ اپنے نظریات تخلیق کرتا ہے جو اس معاشرے میں عمومی طور پر معقول تصور کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریشنلٹی ان رواجوں کی پیداوار ہے جو چودھویں صدی کے بعد سے یورپی معاشرہ میں عام ہوئے اور انہوں نے عیسائی معاشرتی رواجوں کو مسخر کر لیا۔ ریشنلٹی ان معنوں میں تنویری رسوم ورواجات سے تعمیر شدہ گمراہی ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ سرمایہ دارانہ طرزِ استدلال (یہ ریشنلٹی کا دوسرا نام ہے) اختیار کر کے انسان حق تک رسائی حاصل کر لے گا۔ یہ دعویٰ تنویری معاشرتی رسوم ورواج کی آفاقیت ہی کا دعویٰ ہے۔

تنویری معاشرتی آفاقیت کا یہ دعویٰ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ تمام تصورات مشاہدہ اور تفکر یا انسانی ذہنی ساخت سے اخذ شدہ ہیں اور یہ تینوں بنیادیں ان تصورات کی آفاقیت کی دلیل ہیں (لیکن حقیقت میں تنویری معاشرتی رواج کا پرتو ہیں)۔ ریشنل طرزِ استدلال کسی بھی تصور کا جواز فراہم کر سکتا ہے کیونکہ تنویری تفکر کا یہ بنیادی مفروضہ ہے کہ انسان آزاد ہے اور صرف مشاہدہ ہی اس فطری آزادی کی تحدید کر سکتا ہے۔ مشاہدہ لازماً حسیات کی اطلاع تک محدود ہے۔ یہ عقلیت حقیقی یعنی وحی اور الہام کی حجت کا کھلا انکار ہے۔

ریشنلٹی کا منہج کسی غیر متبدل حق کی نشان دہی سے قاصر ہے کیونکہ اس کی تصور سازی

مستقل تبدیل ہوتے ہوئے پیمانوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ آج جو چیز حق ثابت کی گئی ہے وہ تازہ مشاہدے کے نتیجے میں کل باطل ثابت کی جا سکتی ہے۔ ہر مشاہدہ دوسرے مشاہدے کے مساوی ہے۔ کسی کو کسی پر کوئی مستقل اور معروضی اخلاقی برتری حاصل نہیں اور چونکہ مشاہدات کے عملی افتراق کے نتیجے میں مختلف تصورات حق قائم کیے جا سکتے ہیں لہٰذا تمام تصورات حق مساوی قدر کے حامل ہیں بشرطیکہ ہر تصورِ حق فرد کی آزادی یعنی انسان کی خود تخلیقیت اور ابدیت کا ذریعہ ہو۔

عقلیتِ خبیثہ کا یہ بھی مفروضہ ہے کہ کائنات ایک ایسا خود تخلیقی نظام ہے جو اپنی فطری اور طبعی قوانین کے تابع ہے جن کو عقل خبیثہ کے منہج کے اطلاق کے ذریعہ جانا اور انسانی آزادی کے تابع کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی خدا ہے تو وہ ان طبعی اور فطری قوانین کی تابع داری پر مجبور ہے۔ اور الٰہی تصرف کائنات اور تصرف نفوس کی کوئی گنجائش موجود نہیں (نعوذ باللہ)۔

انقلابِ فرانس کے ابتدائی سالوں میں ریزن کی مورتی بنا کر اس کو پوجا گیا۔ ریزن خدائی کا دعوے دار ہے اور وہ یکا و تنہا انسانی عقل پر حکمرانی کا خواہاں ہے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت کا باغی ہے۔ اسی لیے ہم اس کو عقلیتِ خبیثہ کہتے ہیں اور انسانی عقل پر اس کی بالادستی کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

ریشنلزم کی جو مخالفت مغرب کے اندر سے ہوئی اس کو کو اررّیشنلزم یا لاعقلیت کہتے ہیں۔ قدیم یورپی لاعقلیت میں عیسائی اور یہودی مفکرین نمایاں تھے جنہوں نے ریزن کی الوہیت کا انکار کیا اور اللہ تعالی کی حاکمیت کا دعویٰ کیا۔ انیسویں صدی لے کر آج تک جدید لاعقلی تحریک ریزن کی نفسی اور نظاماتی حاکمیت کا انکار دوسری انسانی خصوصیات مثلاً وجدان، ارادہ، نسل، اور قومیت کی بنیاد پر کرتی ہے۔ ان مفکرین کو رومانوی تحریک کا تسلسل سمجھا جاتا ہے۔ مغرب میں ریشنلٹی پر تنقید بالکل لغو اور بے اثر ہو کر رہ گئی ہے۔ جدید لاعقلی دہریہ ہیں وہ ریزن کے مقابلے میں دوسری نفسی اور قلبی قوتوں کی بالادستی کے دعوے دار ہیں۔ ان کے مطابق نفس اور کائنات پر انسان کی غیر عقلی جبلتوں مثلاً وجدان، ارادہ، نسل وغیرہ کو حاوی

ہونا چاہیے۔ اندرونی انسانی جبلتیں ریشنل جبلتوں سے زیادہ طاقت ور ہیں اور انسانی اور کائناتی ارتقاء انہی غیر ریشنل قوتوں کا مرہون منت ہے۔

ریشنلٹی مخالف مفکرین ریزن کی جن بنیادی کمزوریوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں وہ یہ ہیں:

ریشنل تصور کائنات اندرونی تضادات کا مجموعہ ہے۔ ریزن کی بنیاد پر جو کائناتی نظام متصور کیا جاتا ہے وہ میکانکی ہے۔ اس میں جو قوانین کارفرما ہیں اگر انسان ان کے تابع ہیں تو آزاد انتخاب اور عمل کی کوئی گنجائش موجود نہیں رہتی۔ اب یہ واضح ہے کہ آزادی سرمایہ دارانہ نظام زندگی اور سرمایہ دارانہ تعقل کی بنیادی قوت ہے لہٰذا مکمل اور بند میکانکی نظام کی موجودگی میں ایک آزاد سرمایہ دارانہ ریشنل منہج کی کارفرمائی کو کیسے متصور کیا جاسکتا ہے۔ آزادی کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ انسان / سرمایہ دار کائناتی قوتوں کو مسخر کرکے ان پر اپنا ارادہ مسلط کرتا رہے۔

ریشنلٹی مخالف مفکرین ریزن کو تصرف فی الارض کا ذریعہ تصور نہیں کرتے۔ آرتھر شوپنہاور ریشنل تصور کو رد کرتا ہے۔ اس کے برخلاف نطشے خواہشات کی تکمیل کی جستجو کو سراہتا ہے۔ ریشنلٹی مخالف مفکرین کے مطابق دنیا پر ریزن نہیں ارادہ غالب ہے۔ ارادہ ایک ایسی درندہ صفت ہے جو مستقل قوت کی جستجو میں لگی رہتی ہے۔

جس مفکر نے ریشنلٹی مخالف طرزِ فکر کو مغرب میں سب سے زیادہ متاثر کیا وہ سگمنڈ فرائیڈ ہے۔ یہ اس کے باوجود ہے کہ شوپنہاور و نطشے کے برعکس فرائیڈ خود اپنے آپ کو ریشنلٹی مخالف نہیں سمجھتا تھا۔ فرائیڈ نے ریشنل تصورات اور اقدار کی نامعقولیت کو دو اور دو چار کی طرح واضح کردیا۔

فرائڈ کی تعلیمات کے مطابق ریشنلٹی محض وہ حیلے بہانے فراہم کرتی ہے جو انسان کی فطری بہیمیت کو ڈھانپے ہوئے رہتی ہے۔ ریزن محض خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی جستجو کا طریقہ بیان کرتا ہے۔ وجود یا ذات ریزن کے وضع کردہ اصولوں کی پابندی سے تعمیر

نہیں ہوتا (جیسا کہ ریشنل مفکرین مثلاً کانٹ نے دعوی کیا تھا)۔ ذات یا وجود خواہشات اور نظاماتی اقداری حدبندیوں کے درمیان کشمکش اور بالآخر ان کے درمیان حاصل سمجھوتے سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ نظاماتی اقداری پابندیاں رواجی اور روایتی ہوتی ہیں اور ان کی ریشنل توجیہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

فرائیڈ کی ایجاد کردہ تکنیک تحلیل نفسی انفرادی سطح پر خواہشات اور نظاماتی اقدار کے درمیان کشمکش مسلسل کے درمیان سمجھوتا قائم کرنے کی ایک جستجو ہے۔ اس تکنیک کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں کہ کب اور کس حد تک اس قسم کا سمجھوتا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ ذات جو یہ سمجھوتا کرتی ہے اپنی آزادی اور خود مختاری ماہرین تحلیل نفسی اور ماہرین طب نفسی کے حوالے کر دیتی ہے۔ تصورِ آزادی کی یہ ایک بہت بڑی عملی تردید ہے۔ سمجھوتا سازی کا یہ عمل ریشنل نہیں ہوتا۔ سمجھوتا سازی کے اس عمل میں ریشنل تفکر کے تمام اصول رد کر دیے جاتے ہیں۔

یہ ہے میکدہ یہاں رند ہیں
یہاں پارسائی حرام ہے

جہاں جہاں تنویری معاشرت غالب آئی ہے یا آرہی ہے (امریکا، یورپ، چین، بھارت) وہاں وہاں تحلیل نفسی کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مثلاً حالیہ تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ ۲۰۱۸ میں ۷۹ فیصد امریکی کسی نہ کسی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ ۲۸۱ ملین افراد اپنی مفروضہ آزادی اور خود مختاری کو طبی نفسیات کے ماہرین اور تحلیل نفسی کے ماہرین کے ہاتھ رہن رکھے ہوئے ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امریکی جمہوریت ایک لایعنی گھناؤنے کھیل کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ایک عام امریکی شہری "آزادانہ" رائے دینے کا مکلف ہی نہیں ہو سکتا۔

ناحق ہم مجبوروں پر تہمت ہے مختاری کی

ریشنلٹی مخالف مفکرین کے مطابق وجود حیوانی خواہشات کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے جو ان

خواہشات کی تسکین کے لیے معاشرتی اقدار سے غیر ریشنل سمجھوتا کرنے پر مجبور رہتا ہے۔ ریشنلٹی مخالف مفکرین تنویری اقدار بالخصوص آزادی کو رد نہیں کرتے لیکن ان کے حصول کو ناممکن گردانتے ہیں۔

ریشنلٹی مخالف مفکرین کا تصورِ وجود یا ذات ریشنل تصورِ ذات سے مختلف ہے۔ ان کے خیال میں ذات "فطری" جبلتوں اور ذاتی تعلقات کے برتنے سے تعمیر ہوتی ہے اور ریشنل منہج انسانی عقائد اور عمل کو سمجھنے کا موزوں طریقہ نہیں ہے۔ غیر ریشنل مفکرین کی رائے یہ ہے کہ جو عقائد معاشرے میں رائج ہوتے ہیں ان کی کوئی حتمی ریشنل توجیہ بیان نہیں کی جا سکتی یعنی انسانی آزادی خود مختاری پر ایمان لانے کی کوئی حتمی ریشنل دلیل نہیں ہے۔ ریشنلزم کا بنیادی اور سب سے اہم علمیاتی منہج سائنسی منہاج جن مفروضات کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے وہ سب غیر ریشنل ہیں۔

ریشنلٹی مخالف مفکرین اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ریشنل منہج کے ذریعے عمل تعقل کے مقصد کو نہیں جانا جا سکتا۔ لڈوگ وٹگنسٹائن کہتا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کے ریشنلزم کا تصور کائنات واحد متصور حقیقت ہے۔ دنیا میں بہت سے لسانی کھیل کھیلے جارہے ہیں اور ہر لسانی کھیل کے اپنے اصول و ضوابط ہیں۔ ہر لسانی کھیل خود مکتفی ہے۔ لہٰذا وہ لسانی کھیل جو ریشنل بنیاد پر پر مرتب کیا گیا ہے کسی دوسرے منہج علمیت پر مقدم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اسی خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے نوم چومسکی کہتا ہے کہ چونکہ خیالات کا اظہار لازماً لفظی ہوتا ہے اور لفظی پیکر میں ڈھلے ہوئے خیالات اور تصورات بہت بڑی حد تک غیر شعوری ہوتے ہیں لہٰذا خیالات کی ریشنلٹی کو فرض کرنا غلط ہے۔ ہر لسانی گروہ اپنے غیر شعوری غیر ریشنل خیالاتی اور تصوراتی ڈھانچے کی بنیاد پر اپنا نظام حیات مرتب کرتا ہے۔

ریشنل منہج کلی نظاماتی تبدیلی (روحانی انقلاب یا سیاسی انقلاب) کی تفہیم کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس منہج کے مطابق ایک مستحکم دائمی کلی نظام میں تغیر لازماً جزوی ہوتا ہے اور یہی جزوی

تبدیلیاں سائنسی منہاج کے اطلاق اور مطالعے کے لیے موزوں ہیں۔

ریشنلٹی بنیادی مابعد الطبیعاتی اور الٰہیاتی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص نوعیت کی کائنات کیوں تخلیق فرمائی؟ اس کا کیا ثبوت ہے کہ کائنات خود تخلیقی ہے اور کسی ایسی کائنات جو کہکشائی حادثے کے نتیجے میں وجود میں آئی ہو کی کارفرمائی اور وجود کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے؟ اور اگر کائنات کے وجود کی وجودی لا مقصدیت فرض کر لی جائے تو کائنات کے ساکنین بالخصوص انسان کی حیاتی تگ و دو بے معنی اور بے مقصد کیوں نہ تسلیم کی جائے؟

ریشنل منہج کے اطلاق سے سے نہ مقصدِ وجود متعین کیا جا سکتا ہے نہ وہ طریقے جن کو ایک مفروضہ مقصد کے حصول کے غیر تضاداتی حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے

اصولاً ریشنلزم کسی مقصد یا طرزِ حیات کی توجیہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ عملاً اس منہج تعقل کو جس نظام زندگی میں اپنانے کی بھرپور لیکن ناکام کوشش کی گئی ہے وہی سرمایہ داری ہے اور یہ نظام زندگی جس کلیدی مقصد کے حصول کی جستجو کرتا ہے ہے وہ انسانی آزادی اور خودمختاری ہے۔ اصولاً تو یہ خلافِ حقیقت اور ناقابلِ حصول مقصد ہے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے نہ اپنی مرضی سے مرتا ہے۔ لیکن اس مقصد کی ایک مقبول عام توجیہ نیوروسائنس فراہم کرتی ہے۔ اگلے شماروں میں ہم ان شاء اللہ نیوروسائنس کی تعلیمات اور ان کی تنقید مرتب کرنے کی کوشش کریں گے۔

☆☆☆